نبیلہ ازہر

ایسوسی ایٹ پروفیسر

آئی۔ایم۔سی۔جی۔ایف سیون فور، اسلام آباد

غالبؔ کی اِختراعی تراکیب

Even a superficial analysis of Ghalib's poetry reveals that he not only aimed at expressing unique ideas in poetry, but with his spectacular choice of words, semantic changes and rare combinations, he was able to add a great deal to his articulations and to the Urdu language. To achieve this he adopted diverse techniques like derivations, amalgamation of words, synthesis and coinage. Each verse of his poetical collection fascinates the reader with his contribution to the innovation of verse and language. Ghalib's lexical alternations and morphological word formations are the most outstanding feature of his poetry. This opened up exciting perspectives not only for his contemporaries but poets like AltafHussainHali, AllamaIqbal, Faiz Ahmed Faiz and many modern poets also benefitted from it, which proves Ghalib to be a universal poet.

خیال کا سفر حرف وصوت کی منزل سے گزرتا ہوا لفظ کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ لفظ کی صورت پذیری کے پسِ پردہ اختراع و ایجاد کی ایک طویل کشمکش کارفرما ہوتی ہے اور ایک ایک لفظ کے پس منظر میں انسان کے ادراک و عرفان اور انکشافِ ذات کی ایک داستان دور تک پھیلی نظر آتی ہے۔ لفظ اپنے دامن میں کیا وسعتیں اور کیسی پہنائیاں پوشیدہ رکھتا ہے۔ اس کا اندازہ تو الوہی لفظ ''کن فیکون'' کی کارفرمائی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو نیرنگی کائنات کی تکمیل کا باعث بنا۔ غالب جیسا زیرک و دانا شاعر لفظوں کی ایمائی قوت کا بھرپور ادراک رکھتا تھا۔ لفظ اور خیال کی کشمکش اسے کبھی کبھی یہ کہنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ:

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا [۱]

یا

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے
آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے [۲]

الفاظ کی کم مائیگی اور خیال کی پہنائی غالب کو ترکیب تراشی پر مجبور کر دیتی ہے۔ گویا انھیں جب ایک لفظ کا دامن

کوتاہ نظر آتا ہے تو وہ معنیاتی توسیع کی غرض سے نو بہ نو تراکیب اختراع کرتے ہیں اور لفظوں کو ایک دوسرے سے نسبت دیتے ہوئے ان کا باہمی رشتہ اتنا مضبوط استوار کرتے ہیں کہ وفورِ معنی کے ممکنہ اسالیب اور ''گنجینۂ معنی'' کے طلسمات خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔ غالب نے تراکیب سازی کی جو جدتیں اور کمالات دیوانِ اردو میں دکھائے ہیں ان پر بیک وقت گرفت کارِ محال ہے۔ ان کا ہر شعر اور ہر مصرع اختراعی تراکیب کی جدتوں کا ایک دلآویز مرقع ہے۔ کلامِ غالب کی اس معنیاتی توسیع کو سراہتے ہوئے مختار صدیقی اپنے اندازِ خاص میں لکھتے ہیں:

''...... غالب ہی نے سکھایا کہ لفظ کی پہنائی پر غور کرو تو تم دیکھو گے کہ سما سے ممک تک سب کچھ اس میں ہے اور اس پہنائی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو پھیلایا جاسکتا ہے، سکیڑا جاسکتا ہے، ساکت و جامد بھی بنایا جاسکتا ہے اور حرکت و نمو کی وہ بجلیاں بھی اس پہنائی کی رگ رگ میں سموئی جاسکتی ہیں کہ ''ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا'' چنانچہ یہ خیال نہ کرو کہ لفظ کے معنی وہی ہیں جو بقول غالب کسی ''ملائے مکتبی رامپوری'' کسی قتیل، کسی واقف کے ہاں ہیں۔ لفظ میں معنی ڈالے جاتے ہیں کبھی لہجے سے، کبھی خیال کی قوت سے کہ غالب نے خود ''برا'' کو ''اچھا'' کے معنوں میں استعمال کر دکھایا۔ لفظ کے معنی بدلے جاسکتے ہیں جو عالمگیر جنگوں، تحریکوں اور عالمگیر پبلسٹی کے اس کواکب شکار اور آسمان گیر دور میں ہو رہا ہے اور لفظ میں معنی کبھی زندہ کبھی مردہ کر دیے جاتے ہیں کہ جیسے اب امن کا معنی کچھ نہیں اور جیسے قوت کا معنی اب پائندہ تر کیا جارہا ہے۔''[۳]

لفظ و معنی کے امکانات کا یہی سلسلہ ہر دور میں کلام غالب کو محورِ مطالعہ بنائے ہوئے ہے۔ اردو زبان اور ادبیات پر یہ غالب کا فیضان خاص ہے کہ انھوں نے اپنے بعد آنے والے تمام شعرا پر گہرے فکری و لسانی نقوش مرتب کیے۔ ان کی تراشیدہ تراکیب آج ہماری زبان و تہذیب کا لازمی جزو بن چکی ہیں۔ شعرا، ادبا کلام غالب سے یہ تراکیب مستعار لے کر انھیں اپنے شعری مجموعوں، ناولوں، افسانوں اور ڈراموں کے عنوانات اور ناموں سے منسوب کر رہے ہیں کیونکہ ان تراکیب کی رمزیت و معنی خیزی لطیف و عمیق انسانی تجربات اور نوع بہ نوع حقائق زیست کی ترجمانی کرنے کی پوری قوت و توانائی اپنے اندر پوشیدہ رکھتی ہیں۔ اسی حوالے سے ناقدینِ فن نے انھیں شاعرِ امروز ہی نہیں بلکہ شاعرِ فردا بھی قرار دیا ہے کیونکہ ان کا مجددانہ ذہن اور مجتہدانہ رویہ اپنے عہد اور زمانے سے بہت آگے تھا۔ غالب کی تہہ دار فطرت اور ذہنی بالیدگی سے متعلق ڈاکٹر تحسین فراقی کی یہ رائے بہت وقیع ہے کہ:

''اصل میں غالب کی زیست اور ذہن اکہرے نہیں گہرے اور تہہ دار ہیں۔ ان کے اندر ایک نہیں سیکڑوں قامتیں زندہ و بیدار ہیں۔ خیال و فکر اور جذبہ و احساس کی جدلیات نے انہیں ایک ایسی پیکار گاہ میں ڈھال دیا ہے، جہاں زندگی اپنے تمام تصادمات و تعینات، تقاضوں اور تدبیروں اور رنگوں اور رمزوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ غالب ورق سادہ نہیں اور اگر کہیں سادہ ہیں بھی تمام آفتابی رنگ اس میں گھل مل کر ایک ہو گئے ہیں اور یوں اس سادگی میں تہہ داری پیدا ہوگئی ہے۔''[۴]

غالب اپنے عہد کے بہت بڑے لفظ شناس تھے۔الفاظ کی طلسماتی قوتوں پر ان کی نظر گہری تھی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں لفظوں سے طلسماتی تاثر ابھارنے کے لیے متعدد حربے اختیار کیے ہیں کہیں علائم ورموز، کہیں محاکات، کہیں تشبیہات واستعارات ،کہیں تلمیحات ،کہیں صنائع لفظی ومعنوی تو کہیں تراکیب تراشی سے اپنے اشعار کے ایک ایک لفظ کو ''گنجینہ معنی کا طلسم'' بنادیاہے۔ غالب کا زرخیز ذہن الفاظ سازی کی ایک ٹکسال دکھائی دیتاہے جو اپنے''لطف گویائی'' سے لسانی تشکیلات اور تراکیب تراشی سے نہ صرف اردو زبان کا دامن وسیع کر رہاہے بلکہ ایک نئی شعری لسانیات کی بنیاد بھی رکھ رہا ہے ۔ان کا اپنی شاعری کی بابت یہ دعویٰ غلط نہیں ہے کہ:

در تہہ ہر حرف غالب چیدہ ام میخانۂ
تاز دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن[۵]

تراکیب سازی کے حوالے سے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آخر کوئی شاعر تراکیب کیوں تراشتا ہے؟ ظاہراً اس کا جواب یہی نظر آتا ہے کہ وہ لفظوں کے تال میل سے ایک منفرد پیرایۂ اظہار خلق کرنا چاہتاہے یا اسلوبیاتی تنوع کا رنگ جمانا چاہتاہے۔دراصل غالب تراکیب تراشی سے امکاناتِ معنی کی توسیع چاہتے تھے۔شعر کی مختصر قلمرو کو وسعت و بیکرانی عطا کرنا اور تنگنائے غزل کو بحرِ ناپید کنار بنانے کے لیے انھیں ایک ایسا پیرایۂ اظہار مطلوب تھا جو مروجہ طرزِ ادا سے ہٹ کر ہو اور رائج اسلوب کے مقابل جدید تر بھی جس کے توسط سے کم سے کم الفاظ میں معنیٔ کثیر کی ادائیگی ممکن ہو۔ ایک ایسا اسلوب جس کا ایک ایک لفظ''گنجینۂ معنی کا طلسم'' ہو،جو سیدھا سادا اور سپاٹ نہ ہو بلکہ ذومعنی اور پہلو دار ہو۔اسلوب کی معنیاتی حدود کی توسیع کے لیے انھوں نے ترکیب سازی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ فارسی ادبیات اور شعری روایت سے وابستگی نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا اور اردو زبان کا دامن نئے الفاظ، نئی تراکیب، نئے مضامین اور جدید طرزِ ادا سے مالامال ہوگیا۔ڈاکٹر جمیل جالبی غالب کے نادر تراکیب تراشنے کے رجحان کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غالب ان تراکیب کے ذریعے:

> ''محض شاندار الفاظ کا نمائشی ذخیرہ تیارنہیں کرر ہے ہیں بلکہ اپنے مخصوص مزاج کومختصر ترین الفاظ میں سمیٹ کر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہیرے کی طرح تراشی ہوئی ان تراکیب میں فکر و احساس کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہمارے سامنے آجاتا ہے اور تجزیہ ان تراکیب کی اکائی میں سمٹ کر اثر کی شدت میں اضافہ کر دیتا ہے...... اگر گزشتہ سو سال کی نظم و نثر کا جائزہ لیاجائے تو یہ معلوم کیاجاسکتا ہے کہ یہ تراکیب کتنے مختلف متون کتنے مختلف معنی میں کس کس طریقے سے استعمال ہوئی ہیں۔ ان تراکیب کی رمزیت سے طرزِ غالب کی مخصوص فضا،مخصوص آہنگ اور مخصوص امیجری جنم لیتے ہیں......۔''[۶]

تراکیب سازی شعر وادب کی دنیا کا پرانا دستور رہا ہے ہر عہد کے شعرا کلام میں فصاحت و بلاغت، شگفتگی و شائستگی اور جدت و نغمگی پیدا کرنے کی غرض سے نت نئی تراکیب تراشتے رہے ہیں اور عربی و فارسی کے تال میل سے زبان کا دامن زرنگار کرتے رہے ہیں۔بالخصوص عہدِ غالب سے پیشتر جب کہ زبان کی حک واصلاح کا سلسلہ جاری و ساری تھا

شعرا فارسی زبان کے امتزاج سے زبانِ اردو کو تقویت بخش رہے تھے۔ ترکیب سازی کا یہ عمل لسانی اعتبار سے زبان کی وقعت میں اضافہ کر رہا تھا بالخصوص مرکبات کا استعمال نہ صرف لفظوں کو نئی معنویت بخش رہا تھا بلکہ زبان کی اظہاری اور ابلاغی قدروں میں بھی اضافے کا امین تھا۔ بقول ڈاکٹر سید محمد عقیل:

''غالب کے گرد و پیش ہر طرف لفظ و معنی، بحر و وزن، ترکیب اور محلِ استعمال کی بحثیں ہوا کرتیں، خود غالب بھی ایسی بحثوں میں اچھی خاصی دلچسپی لیتے تھے...... لیکن ان کی نظریں معنوی اہمیت کی قائل تھیں اور ان کے اشارے اس بات پر دلیل ہیں کہ خیال انھیں زیادہ عزیز تھا جسے وہ کبھی طرز سے تعبیر کرتے، کبھی نغز گفتاری سے اور کبھی الفاظ کی اہمیت شعر میں اس وقت تک نہ مانتے جب تک کہ ان کی فضا پر گنجینۂ معنی کا طلسم محیط نہ ہو۔''[۷]

ترکیب سازی سے زبان کا ساختیاتی ڈھانچہ یکسر تبدیل ہو جاتا ہے اور لسانی سطح پر صوتی، صوری، صرفی و نحویاتی اور معنیاتی سطح پر تبدیلیوں کا سفر شروع ہوتا ہے۔ غالب ادبی روایت کا ایک ایسا شاعر ہے جس نے اردو یعنی زبان ریختہ کی شعری روایت کا بہ نظر غائر تجزیہ کیا، میر و سودا کے عہد کی لسانیاتی تبدیلیوں کو بہ نظرِ استحسان بھی دیکھا لیکن آنکھ بند کر کے اس کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنے لیے ایک مختلف اسلوب اختیار کیا جس میں جدّت بھی ہے اور وسعت بھی۔ لسانی تشکیلات کے سلسلے میں غالب نے جو کردار ادا کیا یہاں کوئی دوسرا شاعر ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتا ان کا مجموعہ اردو لفظی اختراعات و ایجادات کا ایک رنگا رنگ مرقع ہے۔ غالب کی ترکیب سازی کے چند شعری نمونے ملاحظہ کیجیے:

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدّعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرپا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا[۸]

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت، گیا اور بود، تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا
تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا[۹]

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے، تم نے کیا مزا پایا[۱۰]

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتشِ خاموش کے مانند گویا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل! بارہا
میری آہِ آتشیں سے بالِ عنقا جل گیا[۱۱]

شوق ہر رنگ رقیبِ سروساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا
بوئے گل، نالۂ دل، دُودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
اے نو آموزِ فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا[۱۲]

دھمکی میں مر گیا جو، نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا
تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا[۱۳]

شمارِ سُبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بہ یک کف بُردنِ صد دل پسند آیا
بہ فیضِ بے دلی نومیدیٔ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا[۱۴]

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلّی نہ ہوا
مر گیا صدمۂ یک جنبش لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسی نہ ہوا[۱۵]

بیاں کیا کیجیے بیدادِ کاوش ہائے مژگاں کا
کہ ہر اک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا
مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولٰی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا
ہنوز اک پرتو نقشِ خیالِ یار باقی ہے
دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا
نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا، غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا[۱۶]

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا[۱۷]

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا
بقدرِ ظرف ہے ساقی! خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا[۱۸]

درج بالا امثال دیوانِ غالب کے چند ابتدائی صفحات کے سرسری مطالعے سے منتخب کی گئی ہیں مکمل دیوان سے امثال اخذ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ غالب نے تشکیل اِلفاظ وترتیبِ تراکیب کے لیے جو پیرائے اختیار کیے ہیں ان میں بڑا تنوع موجود ہے، کہیں سابقے لگا کر، کہیں لاحقوں کی کارفرمائی سے، کہیں قواعدی اجتہادات کو بروئے کار

لا کر، کہیں عطف واضافت اور کہیں ہمزہ کے استعمال سے نئی نئی تراکیب تراشی ہیں۔ جس سے ان کا کلام معنیاتی لحاظ سے اعلیٰ مرتبے پر فائز نظر آتا ہے۔ کلامِ غالب کی اسی بوقلمونی کو سامنے رکھتے ہوئے ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی انھیں ''خیال بند غالب'' کا خطاب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''......خیال بندی کی راہ معنی آفرینی سے مشکل تر ہے کہ نئے مضمون پیدا کرنے یا پرانے مضامین کے نئے پہلو تلاش کرنے کے لیے قاعدے نہیں ہیں لہٰذا شاعر ہر وقت اس جوکھم میں مبتلا رہتا ہے کہ اس نے تلاش اور فکر بسیار کے بعد جو مضمون حاصل کیا ہے وہ شعر کی دنیا میں نا قابلِ قبول ٹھہرے یا پھر وہ نیا مضمون جو اس نے اپنے ذہن میں پیدا کیا ہے، پوری طرح ادا نہ ہو سکے۔''[۱۹]

غالب خیال اور زبان ہر لحاظ سے اس مضمون بندی اور معنی آفرینی میں کامیاب رہے۔ وہ اپنے لسانی شعور سے کام لیتے ہوئے اس حقیقت کو بھانپ چکے تھے کہ اگر زبان محض دلی اور لکھنؤ کے محاورے کی پابند رہی تو اس کی ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ زبان کے ارتقا اور بقا کے لیے عصری تقاضوں کے ساتھ ساتھ تغیرات و تبدیلیوں کو جگہ دینا از بس ضروری ہے۔ اگر لسانی سطح پر عہد بہ عہد تجدید و ترقی کے سامان فراہم نہ کیے جائیں تو زبانیں کہنہ اور فرسودہ ہو کر دم توڑ دیتی ہیں۔ غالب نے اپنی طبعی جدت پسندی کے اقتضا سے لسانی تبدیلی کی ضرورت کو محسوس کیا اور اپنے تہہ در تہہ خیالات کی ترجمانی کے لیے ترکیب سازی سے کام لے کر زبان کی ترقی اور بقا کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھول دیا ااسی نسبت سے ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری ''محاسن کلام غالب'' میں غالب کی ترکیب سازی پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے الفاظ کو لعل وجواہر سے بھی گراں بہا قرار دیتے ہیں۔ان کی رائے کے مطابق:

''...... مرزا نے اپنے فلسفیانہ خیالات کے لیے موزوں الفاظ کی تلاش کی تو اردو کے ذخیرہ الفاظ کو بہت محدود پایا۔ لیکن قاعدہ ہے کہ جہاں نیا خیال پیدا ہوتا ہے، وہاں نیا لفظ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے، ہر جان اپنا جسم خود ہمراہ لاتی ہے ۔مرزا کے خیالات نے اپنے اظہار کے لیے خود الفاظ تیار کر لیے......الفاظ سازی کے فن میں مرزا اجتہادِ کامل کا درجہ رکھتے ہیں......۔''[۲۰]

عبدالرحمٰن بجنوری کی رائے میں مرزا کے ساختہ الفاظ محض ساختہ نہیں بلکہ ورجل کی مثال ''آفریدہ'' ہیں۔ بطور مثال غالب کے چند آفریدہ الفاظ ملاحظہ کیجیے:

دامِ شنیدن ،خمارِ رسوم، آتشِ خاموش، جوہرِ اندیشہ، گلبانگِ تسلی، شبنمستاں، دریائے مے، پہلوئے اندیشہ،غرقِ نمکداں، خانہ زادِ زلف، زنجیرِ رسوائی، جمع وخرچِ دریا، موجِ نگاہ، نبضِ خس،تشنۂ فریاد، خلوتِ ناموس،خود داری ساحل، شہپر رنگ، موجۂ گل، گزرگاہِ خیال، برگِ ادراک، طالعِ خاشاک، آئینہ انتظار،حسنِ جوہر، لذتِ سنگ،گردشِ رنگ، افشردۂ انگور، شہرِ آرزو، صحرائے دستگاہ، دریا آشنا، محشرِ خیال، مژگانِ سوزن، مژگانِ یتیم، کنگرِ استغنا، سلکِ عافیت، معاشِ جنوں، دامِ تمنا،دریائے بیتابی، وادیٔ خیال، سیاستِ درباں، نسیہ ونقدِ دوعالم،طلسمِ پیچ و تاب، طعنۂ نایافت، جنتِ نگاہ، فردوسِ گوش، کالبدِ صورتِ دیوار، گلستانِ تسلی، چشمِ صحرا، شیرازۂ مژگاں، برخوردارِ بستر، رنگِ فروغ، دامانِ خیال، قلزمِ خوں، غبارِ وحشت،

شرارِ جستہ، جیبِ خیال، دعوتِ مژگاں وغیرہ۔ ان الفاظ کی جدّت آشکارا اور خوبیاں ظاہر ہیں۔[۲۱]

غالب کے نادر الفاظ و تراکیب کی فہرست بہت طویل ہے۔ان کے ہاں ترکیب تراشی ایک فن کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ان کی تراشیدہ تراکیبِ اس قدر معنی خیز اور کثیر الجہت ہیں کہ ان کا شماریاتی تجزیہ اور تعدادی تعین کوئی آسان بات نہیں۔ ان کی ساختہ و آفریدہ تراکیب نے اردو زبان کے لسانی ڈھانچے میں ایسا لوچ اور لچک پیدا کر دی کہ اس کے دامن سے کم مائیگی کا دھبہ ہمیشہ کے لیے دور ہوگیا بالخصوص شعر کی معنیاتی حدود وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئیں۔ غالب کی تراشی ہوئی تراکیب اتنی پہلودار اور تہہ در تہہ افکار و خیالات کی ترجمان ہیں کہ بعض اوقات ان الفاظ ہی کے بطن سے مزید نئے الفاظ اپنی جلوہ نمائی کرتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ان تراکیب کے آئینے میں ہم دیکھتے ہیں کہ غالب نے ریختہ کو رشکِ فارسی بنانے کے لیے بجا طور پر اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دی ہیں اور ایک کم مایہ زبان کو مایہ دار بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے لسانی جمود کے خاتمے کے لیے نہ صرف نئے الفاظ خلق کیے بلکہ پرانے الفاظ کے قالب میں بھی زندگی کی نئی روح پھونکی اور انھیں نئے مفاہیم کے ابلاغ کا وسیلہ بنایا اور یہ سارا عمل اس مہارت سے پیش کیا کہ کہیں بھی ادبی روایت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا اور کہیں محض لفاظی کا تاثر مرتب نہیں ہوتا۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

> ''وہ اگر نئے الفاظ استعمال کرتا ہے تو مروجہ الفاظ سے دست کش نہیں ہوجاتا بلکہ انھیں نئے نئے معانی کی ایسی ایسی پرتیں بخشتا ہے کہ پرت پر پرت کھولتے چلے جایئے اور نئے سے نئے مضامین سے لذت یاب ہوتے جایئے...... اس کے سادہ الفاظ بڑے ہی پرکار ہیں یعنی گنجینۂ معنی کے طلسم ہیں۔سادگی اور پرکاری کا یہ اتحاد ہی غالب کا اسلوب معین کرتا ہے۔''[۲۲]

دیوانِ غالب کا ہر صفحہ غالب کی جدتِ تراکیب اور پہلوداری الفاظ کا آئینہ دار ہے۔ غالب کی اختراعی تراکیب نے ایک اسلوبیاتی نقاد کے لیے لفظ شماری کے کام کو مشکل بنادیا ہے۔ شان الحق حقی ''کلام غالب کا لسانی تجزیہ'' میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''...... الفاظ کی ٹھیک ٹھیک تعداد طے کرنے میں کچھ پیچیدگیاں ہیں۔ کون سے محاورات یا مرکب افعال کو علاحدہ شمار کیا جائے۔ دونوں افعال الگ الگ شمار ہوں تو مرکب فعل یا محاورہ ان پر مستزاد ہو یا نظر انداز۔ درآں حالانکہ مرکب افعال یا محاورے کے معنی مصادر کے اصل معنی سے متجاوز ہوتے ہیں۔ جواب دینا،(مایوس کرنا، برطرف کرنا) کے مفہوم نہ جواب میں ہے نہ دینا میں ۔ یہی مسئلہ بعض دوسرے کلمات کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے جیسے کہ فجائیہ کلمات، مت پوچھ! کیا کہوں! یا فقرے: جانے بھی دو، تکلف برطرف...... کیجیے ''کرنا'' کی مغیرہ شکل ہے کیا صرف کرنا مصدر کو گن لینا کافی ہے یا اسے ایک علیحدہ لفظ شمار کیا جائے؟...... غالب نے ''ہو جیو'' ،''آئیو'' بھی باندھا ہے...... یہ بھی لغوی طور پر آنا کا صیغۂ امر ہی ہے......''[۲۳]

شان الحق حقی نے غالب کے لفظی اختراعات اور تراکیب سازی کی جدتوں کو سمیٹنے کی بہت کوشش کی اور آخر اس

نتیجے پر پہنچے کہ ''محض گنتی ہی اہم نہیں۔ لسانی تجزیہ کلام سے جو نکتے اور نفسیاتی پہلو ابھرے ہیں وہ اپنی جگہ زیادہ دلچسپ اور پرمعنی ہیں۔'' [۲۴]

شان الحق حقی نے غالب کے کلام کا لسانی تجزیہ کرتے ہوئے تراکیب غالب کو الف بائی ترتیب کے ساتھ متعین کرنے کی جستجو کی ہے۔ یہ کاوش قابلِ قدر سہی لیکن ان کی پیش کردہ فہرست تراکیب کو حتمی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ غالب کی لفظی جدتوں اور اختراعی تراکیب کا مکمل احاطہ ممکن نہیں کیونکہ اگر کسی ایک پہلو سے تعین تراکیب کیا جائے تو کوئی دوسرا پہلو ابھر کر سامنے آجاتا ہے اور گنجینہ معنی کے طلسم کو مزید حیرت خیز بنادیتا ہے۔ غالب کی معنی خیز تراکیب پر مبنی منتخب اشعار ملاحظہ کیجیے:

بال کشا: پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب
دے بطِ مے کو دل و دست شنا موجِ شراب [۲۵]

بتِ عربدہ جُو: صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب
حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جُو کی [۲۶]

آغوشِ گل: آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
اے عندلیب چل، کہ چلے دن بہار کے [۲۷]

جلوۂ برقِ فنا: ڈھونڈے ہے اس مغنّی آتش نفس کو جی
جس کی صدا ہو جلوۂ برقِ فنا مجھے [۲۸]

جیبِ خیال: جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آرزو
جیبِ خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے [۲۹]

تنگیٔ چشمِ حسود: جز قیس اور کوئی نہ آیا بہ روئے کار
صحرا مگر بہ تنگیٔ چشمِ حسود تھا [۳۰]

جنوں جولاں: اسدؔ ہم وہ جنوں جولاں گدائے بے سروپا ہیں
کہ ہے سرپنجۂ مژگان آہو پشتِ خار اپنا [۳۱]

حبابِ موجۂ رفتار: نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے شوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا [۳۲]

حنائے پائے خزاں: حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوام کلفتِ خاطر ہے عیش دنیا کا [۳۳]

حریفِ مطلبِ مشکل: حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمرِ خضر دراز [۳۴]

حلقۂ دامِ خیال: ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے [۳۵]

خندۂ دنداں نما: ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے
صبحِ وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے [۳۶]

خوانِ گفتگو: یہی بار بار جی میں مرے آئے ہے کہ غالب
کروں خوانِ گفتگو پر دل و جاں کی میہمانی [۳۷]

خمارِ رسوم وقیود: تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ
سر گشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا [۳۸]

درسِ دفترِ امکاں: یک قدم وحشت سے، درسِ دفترِ امکاں کھلا
جادہ اجزائے دو عالم دشت کا شیرازہ تھا [۳۹]

دامِ تمنا: خیالِ مرگ کب تسکیں دلِ آزردہ کو بخشے
مرے دامِ تمنا میں ہے اک صیدِ زبوں وہ بھی [۴۰]

دستِ تہہِ سنگ آمدہ: مجبوری و دعوائے گرفتاریٔ الفت
دستِ تہہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے [۴۱]

دریائے بے تابی: نہ اتنا برشِ تیغِ جفا پر ناز فرماؤ
مرے دریائے بے تابی میں ہے اک موجِ خوں وہ بھی [۴۲]

ذوقِ خامہ فرسا: یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا [۴۳]

ذرّہ صحرا دست گاہ: شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرہ صحرا دست گاہ و قطرہ دریا آشنا [۴۴]

رقصِ شرر: یک نظر بیش نہیں، فرصتِ ہستی غافل
گرمیٔ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک [۴۵]

رفتۂ رفتارِ دوست: خانہ ویراں سازی وحشت تماشا کیجیے
صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتۂ رفتارِ دوست [۴۶]

زانوئے فکر: حسنِ بے پروا خریدار متاعِ جلوہ ہے
آئینہ زانوئے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے ۴۷

زخمِ روزنِ در: نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخم روزنِ در سے ہوا نکلتی ہے ۴۸

سازِ عشرت: واں ہجومِ نغمہ ہائے سازِ عشرت تھا اسدؔ
ناخنِ غم یاں سرِ تارِ نفس مضراب تھا ۴۹

سرمہ مفت نظر: سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احسان میرا ۵۰

شمعِ ماتم خانہ: غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم ۵۱

شبستانِ دلِ پروانہ: باوجود یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دل پروانہ ہم ۵۲

صورت خانۂ خمیازہ: شب خمار ذوق ساقی رستخیز اندازہ تھا
تا محیطِ بادہ صورت خانۂ خمیازہ تھا ۵۳

طُرّہ گیاہ: غافل بہ وہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طُرّہ گیاہ کا ۵۴

ظلمت کدہ: ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے [۵۵]

عیدِ نظارہ: عشرتِ قتل گہہ اہل تمنا مت پوچھ
عیدِ نظاّرہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا [۵۶]

غلطی ہائے مضامیں: غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں [۵۷]

قمار خانۂ عشق: ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
واں جو جائیں گرہ میں مال کہاں [۵۸]

گلدستۂ نگاہ سویدا: حسرت نے لا رکھا تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہِ سویدا کہیں جسے [۵۹]

بے منتِ کیموس: کیا کہوں بیماریٔ غم کی فراغت کا بیان
جو کہ کھایا خونِ دل ، بے منتِ کیموس تھا [۶۰]

گردشِ رنگِ چمن: عمر میری ہو گئی صرفِ بہارِ حسنِ یار
گردشِ رنگِ چمن ہے ماہ و سالِ عندلیب [۶۱]

لبِ افسوس: حالِ الفت نہ دیکھا جز شکستِ آرزو
دل بہ دل پیوستہ گویا یک لبِ افسوس تھا [۶۲]

محشرِ خیال: ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو [۶۳]

غلط بردار: ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا ،سو بھی مٹ گیا
ظاہراً کاغذ ترے خط کا، غلط بردار ہے [۶۴]

نواسنجِ فغاں: کسی کو دے کے دل کوئی نواسنج فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو [۶۵]

نغمہ ہائے غم: نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن [۶۶]

نقش ونگار طاق نسیاں: یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں [۶۷]

وادیٔ خیال: مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیٔ خیال
تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے [۶۸]

یک بیاباں ماندگی: نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حبابِ موجۂ رفتار ہے نقشِ قدم میرا [۶۹]

غالب کے لفظی اختراعات کی فہرست بہت طویل ہے۔ ان کی لسانی مہارت اور پر تخیل تراکیب نے آنے والے شعرا پر بھرپور اثر ڈالا۔بقول شان الحق حقی:

''لغاتِ کلام غالب کا امتیازی عنصر وہ لفظی اختراعات اور پر تخیل تراکیب ہیں جو انھیں سے مخصوص ہیں اور بعض کا اتباع بھی ہوا، یعنی جزوِ زبان بن گئیں یا کتابوں کے عنوانات کے طور پر مستعار لی گئیں ان کا سلسلہ

دراز ہے۔'' [۷۰]

غالب نے تراکیب سازی سے جس معنیاتی توسیع اور معنوی نکتہ آفرینی کا سامان فراہم کیا ہے اس کا بھرپور اندازہ لفظ ''آئینہ'' کے حوالے سے تراشی ہوئی تراکیب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ان تراکیب کے آئینے میں غالب کی پہلو دار شخصیت اور بوقلموں اسالیب کا عکس بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ فہیم شناس کاظمی اپنے تحقیقی مضمون ''غالب اور آئینہ'' میں اس ترکیب کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آئینے کے حوالے سے غالب کے ادراک، مشاہدات اور خصوصاً تراکیب کی جدت، پہلوداری اور ندرتِ بیان کے تنوع کا اندازہ کیا جاسکتا ہے...... انھوں نے آئینے کے استعارے کو ڈیڑھ سو سے زیادہ بار نئی ترکیب اور نئے مضمون سے اپنے اشعار میں باندھا ہے جس کی مثال نہ ان سے پہلے کسی شاعر کے ہاں ملتی ہے نہ ان کے بعد (کہ جب اردو زبان دنیا بھر میں پھیل چکی ہے اور روز بروز ترقی کر رہی ہے۔)'' [۷۱]

خوف طوالت کے پیش نظر یہاں انتخابِ اشعار سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف لفظ آئینہ سے متعلق تراکیب کی پہلوداری کو بطور حوالہ پیش کیا جارہا ہے:

آئینۂ خیال، کشورِ آئینہ، آئینۂ تمثال دار، آئینۂ تعمیر، فردِ آئینہ، حسنِ آئینہ، آئینۂ آہ، آئینۂ دیوار، آئینۂ امتحاں، آبِ آئینہ، جوہرِ آئینہ، دلِ آئینہ، آئینۂ نواز، آئینۂ انجام، تپش آئینہ، آئینۂ کارتر، آئینۂ ناز، آئینۂ دوجہاں، آئینۂ گل، آئینۂ رخاں، پشتِ آئینہ، زیورِ صد آئینہ، فرصتِ آئینہ، آئینۂ دریا، آئینۂ انتظار، صفحۂ آئینہ، آئینۂ اعتبار، دامنِ آئینۂ، گرد باد آئینہ، آئینہ دام، آئینۂ پرواز، آئینۂ گفتار، صد آئینہ، صورتِ آئینہ، نگہ آئینہ، آئینۂ شوخی، آئینۂ خانہ، دلِ آئینۂ طرب، آئینۂ دار، آئینۂ موزوں، آئینہ تمیز، آئینۂ آسا، آئینۂ طاق ہلال، آئینۂ حیرانی، طلسم آئینہ، آئینۂ بیضۂ طوطی، آئینۂ بیضۂ بلبل۔ [۷۲]

سہ رکنی تراکیب کی جدت ملاحظہ کیجیے:

بدام جوہر آئینہ، بسان جوہر آئینہ، آئینہ خور پرتصویر، در آب آئینہ، خار شمع آئینہ، آئینہ پرداز نقاب، آئینہ داغ حیرت، صفائے حیرت آئینہ، آئینہ تکرار تمنا، جانشین جوہر آئینہ، آئینہ بند خلوت، محفل ہے آئینہ، قاتل ہے آئینہ، آغوشِ گل ہے آئینہ، آئینہ بھی ورطۂ ملامت، شرمِ آئینہ تراس، آئینہ محشر خاک، آئینۂ اخلاق بہار، آئینہ پرافشاں، تمثال گداز آئینہ، آئینہ مشتِ آب، تمثال دار آئینہ، آئینہ فرشِ شش جہت، رنگار خوردہ آئینہ، آئینہ زانوئے فکر، آئینہ بدست بت بدمست، آئینہ بندی گوہر، پشتِ گرمیٔ آئینہ، آئینۂ حسن یقیں، جوہرِ آئینۂ سنگ، آئینۂ خواب گراں شیریں، آئینۂ بخت بیدار، آئینۂ پرتو شوق، آئینۂ دست آئینۂ، آئینۂ برداز زانو، خیالِ آئینۂ ساز، بتِ آئینۂ سیما، آئینۂ گلدستہ خار، بزم آئینہ تصویر نما، آئینۂ پرافشاں، تیغ ستم آئینۂ، آئینۂ شان اظہار تمثال، بہار آئینۂ، آئینۂ فرق جنون وتمکیں، آئینۂ تراآشنا، آئینۂ برگ گل وغیرہ۔ ان تراکیب کے سرسری مطالعے سے یہ احساس پوری شدت کے ساتھ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ غالب کسی بھی چیز کو ایک رخ سے دیکھنے کے قائل نہیں تھے۔ [۷۳]

کلام غالب میں لفظ ''آ ئینہ'' محض ایک اصطلاح یا استعارہ نہیں رہتا بلکہ اس کی معنوی تہہ داری اور وسعت اسے لغت کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔کلام غالب کی یہی معنوی وسعت انھیں ایک آ فاقی شاعر ہونے کا شرف بخشتی ہے۔ان کے کلام کی معنیاتی توسیع سے متاثر ہو کر آنے والے شعرا نے بھی نوع بہ نوع تراکیب تراشیں اور زبان کی ترقی کے عمل کو آگے بڑھایا۔ غالب کے بعد تراکیب سازی ایک روایت اور فن کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔ حالی سے اقبال تک اور اقبال کے بعد ن۔م راشد، فیض احمد فیض اور دیگر شعرائے جدید نے اس فن میں خوشگوار اضافے کیے اور معنویت کی نئی نئی دنیاؤں کو تسخیر کیا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ غالب،دیوان غالب،مرتبہ مولانا حامدعلی خاں بہ تصحیح متن،الفیصل اردوبازار، لاہور، اپریل ۱۹۹۵ء،ص۴

۲۔ ایضاً،ص۱۲۳

۳۔ مختار صدیقی،مضمون غالب اور ......''غالب،مشمولہ: ماہ نو غالب'' نمبر،شمارہ۳،جلد۵۱،مارچ ۱۹۹۸ء،ادارہ مطبوعات پاکستان،لاہور،ص۱۵۱

۴۔ فراقی،تحسین،ڈاکٹر،''تنقیداتِ تحسین فراقی''(منتخب مقالات)مرتبہ اشتیاق احمد، القمر انٹرپرائزرز، لاہور، طبع اول ۲۰۱۳ء،ص۱۱۹۔۱۲۰

۵۔ غالب، کلیات غالب فارسی ،جلدسوم، مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، مجلس ترقی ادب ،اردو،طبع اول ۱۹۶۷ء،ص۳۲۴

۶۔ جمیل جالبی ،ڈاکٹر،مضمون''طرز غالب''،مشمولہ:نئی تنقید، رائل بک کمپنی،کراچی اشاعت اول ۱۹۸۵ء، ص۲۲۴۔۲۲۵

۷۔ محمدعقیل،ڈاکٹر،سید،مضمون''غالب کے تنقیدی نظریات''،مشمولہ: نقوش غالب نمبر،جلدسوم ، ادارہ فروغ اردو،لاہور ،ستمبر۱۹۸۱ء ،ص۲۶۹

۸۔ غالب،دیوان غالب،ص۱

۹۔ ایضاً،ص۲

۱۰۔ ایضاً،ص۳

۱۱۔ ایضاً،ص۴

۱۲۔ ایضاً،ص۵

۱۳۔ ایضاً،ص۶

۱۴۔ ایضاً،ص۷

۱۵۔ ایضاً،ص۸

۱۶۔ ایضاً،ص۹

۱۷۔ ایضاً،ص۱۰

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، ڈاکٹر، غالب پر چار تحریریں غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۲۰۰۱ء، ص ۸۳
۲۰۔ بجنوری، عبدالرحمٰن، ڈاکٹر، محاسن کلام غالب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۹۔۱۰
۲۱۔ ایضاً
۲۲۔ قاسمی، احمد ندیم، مضمون، ''غالب کا انداز گل افشائی گفتار'' مشمولہ ماہ نو، غالب نمبر، ص ۱۱۰
۲۳۔ حقی، شان الحق، مضمون ''کلام غالب کا لسانی تجزیہ'' مشمولہ: غالب جدید تنقیدی تناظرات (مرتب) اسلوب احمد انصاری، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۴ء، ص ۱۱۳
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۱۴
۲۵۔ غالب، دیوان غالب، ص ۴۰
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۵۲
۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۳
۲۸۔ ایضاً، ص ۱۲۰
۲۹۔ ایضاً، ص ۱۷۹
۳۰۔ ایضاً، ص ۲
۳۱۔ ایضاً، ص ۲۱
۳۲۔ ایضاً، ص ۱۰
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵
۳۴۔ ایضاً، ص ۵۵
۳۵۔ ایضاً، ص ۱۱۵
۳۶۔ ایضاً، ص ۱۲۰
۳۷۔ غالب، دیوان غالب جدید المعروف بہ نسخہ حمیدیہ مع مقدمہ دیوان: مفید عام اسٹیم پریس، آگرہ، ۱۹۳۱ء، ص ۳۱۰
۳۸۔ غالب، دیوان غالب، ۲
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۷
۴۰۔ ایضاً، ص ۱۰۹
۴۱۔ ایضاً، ص ۱۸۴
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۰۹
۴۳۔ ایضاً، ص ۲۵
۴۴۔ ایضاً، ص ۳۵

۴۵۔ ایضاً،ص۶۳

۴۶۔ ایضاً،ص۴۳

۴۷۔ ایضاً،ص۱۷۳

۴۸۔ ایضاً،ص۱۸۱

۴۹۔ غالب،نسخہ حمیدیہ،ص۹

۵۰۔ غالب،دیوان غالب،ص۳۶

۵۱۔ ایضاً،ص۶۶

۵۲۔ ایضاً،ص۶۶

۵۳۔ ایضاً،ص۱۷

۵۴۔ ایضاً،ص۳۷

۵۵۔ ایضاً،ص۱۳۸

۵۶۔ ایضاً،ص۱۶

۵۷۔ ایضاً،ص۸۸

۵۸۔ ایضاً،ص۶۸

۵۹۔ ایضاً،ص۱۸۳

۶۰۔ ایضاً،ص۳۳

۶۱۔ ایضاً،ص۵۳

۶۲۔ ایضاً،ص۳۳

۶۳۔ ایضاً،ص۹۸

۶۴۔ ایضاً،ص۱۱۶

۶۵۔ غالب،دیوان غالب،ص۱۰۴

۶۶۔ ایضاً،ص۷۳

۶۷۔ ایضاً،ص۹۰

۶۸۔ ایضاً،ص۱۲۰

۶۹۔ ایضاً،ص۱۰

۷۰۔ حقی،شان الحق،کلام ”غالب کا لسانی تجزیہ“مشمولہ تنقیدی تناظرات،ص۱۱۸

۷۱۔ فہیم شناس کاظمی،مضمون، غالب اور آئینہ،مشمولہ ماہ نو،غالب نمبر،ص۶۲

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ ایضاً،ص۶۲۔۶۳